R./No. 2106/57

Regd. No. 1. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

جلد ۲۴ - شمارہ ۱۷	ایڈیٹر: آل احمد سرور	یکم مئی ۱۹۶۵ء

اداریہ

ہندوستانی یونیورسٹیاں اور اردو

اس وقت علی گڑھ، دہلی، کشمیر، الٰہ آباد، پٹنہ، عثمانیہ، اور گورکھپور یونیورسٹی میں اردو کے علٰحدہ شعبے موجود ہیں۔ لکھنؤ میں اردو اور فارسی کا شعبہ ہے اور بنارس، میسور اور تروپتی یونیورسٹی میں اردو، فارسی، عربی تینوں کا ایک شعبہ ہے۔ اردو ایک جدید ہندوستانی زبان ہے اور اب دستور میں اس کو ان چودہ قومی زبانوں میں تسلیم کیا گیا ہے جن سے ہندی کو مدد لینی ہے۔ اس لیے ہم ان یونیورسٹیوں کے ارباب حل و عقد سے جہاں اردو اور فارسی کا ایک شعبہ ہے یا جہاں اردو، فارسی، عربی تینوں کا ایک شعبہ ہے یا جہاں اردو کا شعبہ تو ہے مگر اس میں کوئی پروفیسر نہیں ہے، درخواست کرتے ہیں کہ وہ اردو کا ایک الگ شعبہ قائم کریں جس میں کم سے کم ایک پروفیسر ایک ریڈر اور دو لکچرر رہوں۔ یو۔جی۔سی نے اعلیٰ تعلیم کے ہر مضمون کے لیے اسٹاف کا یہی فارمولا بنایا ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ باوجود عوام کے مطالبے کے بعض یونیورسٹیوں میں اردو میں ایم۔اے کی تعلیم کا انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ راجستھان یونیورسٹی میں ہر سال خاص تعداد میں طلبا ایم۔اے میں داخلے کے لیے درخواست دیتے ہیں مگر وہاں کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ پنجاب میں جو اردو کا گہوارہ کہا جاسکتا ہے، اور جس میں آج بھی بہت بڑی تعداد میں اردو کے اخبار، رسالے نکلتے ہیں اور کتابیں شایع ہوتی ہیں، تین یونیورسٹیوں میں سے کسی میں اردو میں بی۔اے یا ایم۔اے کی تعلیم کا انتظام نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ پنجاب یونیورسٹی میں پرائیویٹ طور پر اردو میں ایم۔اے کا امتحان دیا جاسکتا ہے مگر اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کا فرض ہے کہ وہ یو۔جی۔سی کے فارمولے کے مطابق ایک پروفیسر، ایک ریڈر، دو لکچرر جلد سے جلد مقرر کرکے بی۔اے اور ایم۔اے میں اردو کی باقاعدہ تدریس کا انتظام کرے۔ اسی طرح پنجابی یونیورسٹی کو بھی چاہیے کہ پنجابی اور اردو کے گہرے رشتے کو دیکھتے ہوئے پٹیالہ میں جو اردو کا ایک بڑا مرکز ہے، اردو کا ایک الگ شعبہ قائم کرے۔

اترپردیش میں عنقریب میرٹھ اور کانپور میں یونیورسٹیاں قائم ہونے والی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ان یونیورسٹیوں میں بھی اردو کے آزاد شعبے قائم ہوں گے۔ اول تو ایک علمی مضمون کی حیثیت سے اردو کی طرف ہماری یونیورسٹیوں میں اور توجہ ہونی چاہیے، دوسرے اردو میں تحقیق کی وجہ سے قومی یک جہتی کو جو فروغ ہوگا وہ بھی اظہر من الشمس ہے، تیسرے اردو میں اعلیٰ علمی اور ادبی کوششوں کو یونیورسٹیوں کے ذریعہ ہی استحکام مل سکتا ہے اور اس استحکام کی وجہ سے خود ہندی کو بڑا فائدہ پہنچے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ اس سلسلے میں اب مناسب اقدامات جلد سے جلد کیے جائیں گے۔

اس شمارے میں

میر ریلوے اسٹیشن

میر اکیڈمی کے صدر مسٹر مقبول احمد لاری نے کہا ہے کہ اکیڈمی کی طرف سے ریلوے بورڈ کو ایک یادداشت بھیجی گئی ہے اس میں یہ مانگ کی گئی ہے کہ لکھنؤ ریلوے اسٹیشن کا نام مشہور اردو شاعر میر تقی میر کے نام پر رکھا جائے۔

یادداشت میں بتلایا گیا ہے کہ میر نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ اسی جگہ بسر کیا جہاں اب لکھنؤ اسٹیشن ہے۔ ان کی قبر بھی ریلوے اسٹیشن کے نزدیک ہے۔ لکھنؤ کارپوریشن کی طرف سے میر پارک کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ یہ پارک اس شاعر کی یادگار میں قائم کیا گیا ہے۔

ایک تحریک یہ شروع کی جا رہی ہے کہ میر کے لاکھوں مداحوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک یادداشت وزیر اعظم اور ریلوے وزیر کو بھیجی جائے جس میں یہ مانگ کی جائے کہ ریلوے اسٹیشن کا نام بدل کر "میر سٹی اسٹیشن" رکھا جائے۔ (ریاست، کانپور)

مرزا دبیر کی یاد میں کل ہند اجتماع کی تیاری

لکھنؤ ۲۳ اپریل۔ یہاں انجمن تکمیل ادب نے فیصلہ کیا ہے کہ لکھنؤ کے دبستان مرثیہ نویسی کے نامور شاعر دبیر لکھنوی کے سلسلے میں ۲۷ جون کو ایک کل ہند اجتماع کیا جائے۔

اس اجتماع میں دبیر کے فن، حیات اور کمال پر مقالات پڑھے جائیں گے اور بزم مسالمہ ہوگی۔ اس کا افتتاح ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی (بمبئی) اور صدارت خبیر لکھنوی کریں گے۔ اس سلسلے میں ایک استقبالیہ کمیٹی بنا دی گئی ہے جس کے صدر نواب شیش محل حشمت، سکریٹری لائق علی ہنر۔ مسالمہ کے کنوینر تکمیل لکھنوی مقرر کیے گئے ہیں۔ (قومی آواز لکھنؤ)

بنگالی ادیبوں کا مطالبہ

وشنو پور (مغربی بنگال) ۱۵ اپریل۔ یہاں تین روزہ بنگالی ساہتیہ سمیلن نے جس کا اجلاس کل رات یہاں ختم ہوا یہ مطالبہ کیا ہے کہ آئین ہند میں مروج تمام دوسری زبانوں کو ملک میں مساوی درجہ دیا جائے اور انگریزی کو رابطہ کی زبان کی حیثیت سے برقرار رکھا جائے۔

ایک قرارداد میں سمیلن نے کہا کہ پارلیمنٹ میں ان تمام زبانوں میں تقریر کرنے کی اجازت دی جائے اور یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانات بھی ان تمام زبانوں میں ہوں اور انگریزی میں بھی ہوں۔ سمیلن نے حکومت پر زور دیا کہ وہ اس مقصد سے آئین میں مناسب ترمیم کرے۔ (قومی آواز لکھنؤ)

اردو کے جائز حق کیلئے ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کی آواز

نئی دہلی۔ ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کی قومی کونسل نے مطالبہ کیا ہے کہ اردو کو ان تمام ریاستوں میں جہاں آبادی کا قابل لحاظ حصہ اردو بولتا ہے اس کا جائز حق دینا چاہیے اور اردو کو ان ریاستوں کی زائد علاقائی زبان تسلیم کرنا چاہیے۔

قومی کونسل نے اپنے سات روزہ اجلاس میں زبان کے سوال کا تفصیل سے جائزہ لینے کے بعد ایک طویل قرارداد منظور کی ہے۔ جس میں زبان کے سوال پر پارٹی کی مرکزی ایگزیکٹو کمیٹی کی منظور کی ہوئی قرارداد کے فیصلوں کی توثیق کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ دستور میں اقلیتوں کی زبانوں کی حفاظت کے سلسلے میں جو انتظامات کیے گئے ہیں ان پر پوری طرح عمل کیا جانا چاہیے۔ (حیات نئی دہلی)

صلاح الدین نیر کی غزلوں کا منظوم تلگو ترجمہ

بھارت ساہتیہ کلا پریشد کھمم کے زیر اہتمام صلاح الدین نیر کی غزلوں کا منظوم تلگو ترجمہ "نیر گیتالو" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ جس کا ترجمہ تلگو کے مشہور شاعر و ادیب مسٹر کوموڈی نے کیا ہے جو اردو ادب سے بھی گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ اس کتاب کا پیش لفظ مسٹر سیر الال مودیا ایم۔ ایل۔ سی۔ صدر انجمن ترقی اردو کھمم نے لکھا ہے۔

اردو اخبارات کو اشتہارات

۳۰ مارچ ۱۹۶۳-۶۴ء میں بھارت کے اردو اخباروں میں جو سرکاری اشتہارات شائع ہوئے ان پر تقریباً ۲۲۸۰۵۰ روپے خرچ آیا۔ یہ اطلاع آج راجیہ سبھا میں نائب وزیر اطلاعات و نشریات ڈاکٹر پٹابھی رمن نے شری عبدالغنی کے ایک سوال کے جواب میں دی۔

نائب وزیر موصوف نے مزید بتایا کہ مذکورہ سال میں اردو کے کل ۱۵۲ اخباروں و رسالوں کو سرکاری اشتہارات ملے۔ ان میں ۵۰ روزنامے ۷۵ ہفتہ وار اور باقی پندرہ روزہ، ماہنامے وغیرہ تھے۔ ان اخباروں نے کل ۱۰۰۲۳۰ کالم سینٹی میٹر جگہ سرکاری اشتہارات کو دی۔

پروفیسر آل احمد سرور مجروح ہوگئے
انجمن کے جلسے ملتوی

۲۵ اپریل کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں طلبا نے جو ہنگامہ کیا اس میں علاوہ وائس چانسلر اور دوسرے حضرات کے پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) بھی مجروح ہوگئے۔ ان کے سر میں چوٹیں آئیں اور انگلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ڈاکٹروں نے ایک ہفتے تک مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔ انجمن کے جو جلسے یکم اور دوسری مئی کو دہلی میں ہونے والے تھے وہ ملتوی کر دیے گئے ہیں۔

حسن عسکری بلکھنوی

ہندی کا جمہوری نقشہ

مہاتما گوتم بدھ کے لسانی تجربہ کی تاریخی اہمیت کو بھلا کر ایک خاص طبقہ اور ایک خاص دور کی لسانی صحت کی روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندی کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں جو تجربہ کیا جا رہا ہے اس کی تائید اور تردید کے جذباتی طریقوں کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ غصہ اور نفرت تعصب اور تنگ نظری خوف اور بے اعتمادی کے بندھن ہمارے جمہوری مذاق کو جکڑے ہوئے ہیں اس سائنسی دور میں ہمارے جمہوری مذاق کا یہ جذباتی نقشہ آج کے اہل عقل کے لیے ایک بڑا مسئلہ ہے یعنی آج ملک کے سامنے سیاسی، اقتصادی اور لسانی مسئلوں کے پیچ ہم سے جس سائنسی نقطۂ نظر کو اپنانے کا مطالبہ کر رہے ہیں اس کی نشو و نما کی رفتار بہت سست ہے۔

سائنسی نقطۂ نظر کی نشو و نما کے لیے پنڈت نہرو نے جو بخشیں کی ہیں ان سے استفادہ کرتے ہوئے ہم رواداری کی وہ صحت مند روایات قائم کر سکتے ہیں جن کی ملکی سطح پر بھی اہمیت محسوس کی جائے اور عالمی سطح پر بھی ان کے سراہے جانے کے لیے فضا تیار ہو۔ ہمارے جمہوری تصورات پر ابھی سامنتی دور کی ذہنی ناآسودگی کی روایتی گرد جمی ہوئی ہے اس گرد کو دھونے کے طریقوں کی ایجاد سے ہمارا اس ذہنی ترقی کا مسئلہ وابستہ ہے جس کے ذریعہ سے ہمارا جمہوری مذاق تقلید کی منزل سے نکل کر تخلیق کی منزل میں داخل ہوگا۔

ہم آج سیاسی، اقتصادی، اور لسانی مسائل کے پیچ محبت اور نفرت کے بڑے بڑے مظاہروں سے کھولنا چاہتے ہیں تاکہ فساد ہیں اسی قسم کے مظاہرے ہندی اور انگریزی کے سلسلہ پر ہوئے ہیں مگر جذباتیت عقل کی طرح مشکل کشا نہیں ہو سکتی ہے لہٰذا اہم اور پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے عقل کے ان شاندار مظاہروں کی ضرورت ہوتی ہے جن کو عوامی تائید بالکل اس طرح حاصل ہو جس طرح مہاتما گوتم بدھ کو اپنے مذہبی پیغام کو ایک خاص لسانی رنگ میں رنگنے کے باعث حاصل ہوگئی تھی۔ اس سلسلہ میں جمہوری ہندوستان میں جو غلطیاں ہو رہی ہیں ان کو دور کرنے کے لیے عقلمندوں کو بڑی جد و جہد کرنا ضروری ہے۔ مثلاً ہندی والوں کے لسانی صحت کے تصور کے روایتی رنگ روپ کو دیکھا جاتا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تاریخ کے ایک خاص دور میں مرتب ہونے والی لسانی صحت کی ان روایات کو یاد رکھنا چاہتے ہیں جن کو ایک خاص طبقہ کی بہت چھوٹی اقلیت نے مرتب کیا تھا، اور عوامی لہجے کی سادگی سے پیدا ہونے والی بھاشائی روایات کو وہ بھلا دینا چاہتے ہیں مثلاً

سوریہ	سورج	راتری	رات
گرہ	گھر	ہانی	نقصان
مکھ	منھ	ہست	ہاتھ
اشٹھ	آنکھ	ورشا	برسات

اس سلسلہ میں یہ سوچنے کی بات ہے کہ علما اپنے علمی وقار کا مظاہرہ کرنے کے لیے اکثر عوام کو بھول جاتے ہیں تاریخ علما کی اس کمزوری پر اچھی خاصی روشنی ڈالتی ہے مگر عوام علما کی دی ہوئی لسانی صحت کو اپنے انداز میں استعمال کرتے ہیں یعنی آواز کے علاوہ کے دئے ہوئے ہجوں کو عوام بالکل اسی طرح کم کر دیتے ہیں جس طرح کسی خالی کھیت کی دو مینڈوں کے بڑے فاصلے کو چھوڑنے کے لیے کھیت کے بیچ کے کونوں کو ملانے والی ڈگر بنائی جاتی ہے۔

جس طرح علما کی دی ہوئی لسانی صحت کے پیچھے کچھ عالمانہ انانیت کی روایات ہوتی ہیں اسی طرح عوام کے لہجہ کی سادگی سے ڈھلنے والے الفاظ بھی اپنے چلن کی روایات رکھتے ہیں لہٰذا اس عوامی اور جمہوری دور میں عالمانہ انانیت کا بوجھ عوام کے اعصاب پر رکھنا عوام کی آسانیوں کا باعث نہیں ہو سکتا مگر ہندی کی دفتری اور سائنس بورڈوں کی نئی لفظ سازی عوام ضرورتوں اور آسانیوں کی روشنی میں نہیں ہوئی اس سے ایک نئی زبان کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے عوام کی اس وقت کی آسانیوں اور ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے اس زبان کے علمی وزن و وقار کے پرکھنے اور سمجھنے کے لیے انانیت کے اس افسانہ کو پوری دلسوزی کے ساتھ پڑھا جانا چاہیے اور عوام کے اوپر اس بوجھل انانیت کا جو دباؤ پڑ رہا ہے اس کو کم کرنے کی جمہوری ضرورت کو پوری طرح محسوس کرنا چاہیے؟

ایک خاص دور کی لسانی صحت کی روایات اور ایک خاص طبقہ کی نمائندگی کرنے والی لفظ سازی ہندی کے علما کو اچھی لگ سکتی ہے ہندوستان کی لسانی اقلیتوں کو اچھی نہیں لگ سکتی ہے۔ ایسی صورت میں ہندی کے علما تامل ناڈ یا بنگال کے لوگوں کو اپنی پسند کی ہندی سے متاثر کر سکیں گے؟ اس سلسلہ میں ہندی والوں کو ایک نیا تجربہ کرنا پڑے گا انھیں شمالی ہندوستان کے بازاروں، ریلوں، بسوں، میلوں، اسٹیشنوں فنوں میں اپنائی جانے والی زبان کی صلاحیتوں کے ذریعہ سے ہی ہندی کی وسعت کے نقشے بنانے کی کوشش کرنی چاہیے اس میں عوام کے لیے کشش کا ہونا ضروری ہے۔ عوام میں

جمہوری رواداری کو پرکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے لہذا ایک دور کی تاریخ کو یاد رکھنے اور ایک دور کی تاریخ بھلانے والی ذہنی تنگی کے اثرات آج کے عوام پوری طرح محسوس کرتے ہیں لہذا ہندی کے جمہوری نقشہ میں جمہوری ضرورتوں کی تکمیل کی کوشش پیدا کرنے کا مطالبہ کرنا ہندی کے اسی بڑپن کا مطالبہ ہے جو آج انگریزی کو نصیب ہے انگریزی نے اپنے ملک سے باہر نکل کر دوسرے ملکوں کو بھی اپنے اثر میں لے لیا ہے مگر آج سے پانچ سو سال پہلے بھی انگریزی اتنی بڑی انگریزی نہیں تھی جتنی بڑی آج ہے آج ہم اس سے اپنا دامن چھڑانا چاہتے ہیں مگر وہ ہمارا دامن نہیں چھوڑتی ہے آج کے ہندوستان کے اوپر انگریزی کے جو اثرات ہیں ان سے انگریزی کے بڑپن پر روشنی پڑنے کے ساتھ ہماری کمیوں پر بھی روشنی پڑتی ہے یعنی ہم جذباتی مظاہروں سے انگریزی کو دیس نکالا دینا چاہتے ہیں عقل کو اپنا رہنما نہیں بناتے ہیں، دکن اور بنگال کے لوگ دیسی ہندی کے مقابلہ میں پردیسی انگریزی کو کیوں اچھا سمجھ رہے ہیں؟ پردیسی انگریزی کے رہنے سے دکن بنگال اور شمالی ہندوستان کے لوگوں میں حکومتی مشین کے چلانے کے سلسلہ میں کسی بڑے فرق کے پیدا ہونے کا خطرہ نہیں ہے مگر عالمانہ ہندی دکن اور بنگال کے لوگوں میں احساس کمتری پیدا کر دیتی ہے وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ عالمانہ ہندی ہمیں شمالی ہندوستان کے لوگوں سے چھوٹا بنا دیگی اس سلسلے میں مختلف قسم کے وعدے انھیں مطمئن نہیں کرتے ہیں ایسی صورت میں ہندی والوں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ بنگلہ یا تامل وغیرہ کو عالمانہ ہندی سے متاثر کرنے کے بجائے تامل کے دائرہ اثر میں پہنچ کر تامل کے زیادہ چلن رکھنے والے الفاظ سے اپنے خزانہ کو بھریں اور تامل کے دائرہ اثر میں تامل سے متاثر ہونے والی ہندی کو آگے بڑھائیں اسی طرح ہندی بنگلہ کو متاثر کرنے کے بجائے بنگلہ سے خود متاثر ہو اس طرح ہندی انانیت کی نامنجھ روایت پرستی کے دائرہ سے نکل کر جمہوری مقاصد کی روشنی میں اپنے بڑپن کی روایات بنائے گی، ہندی کی یہ روش کل لسانی اقلیتوں کو بے اعتمادی کے دلدل سے آسانی کے ساتھ باہر نکال لے گی اور اسے انگریزی کے لیے بھی خفقہ اور نفرت کی کلہاڑیوں کا استعمال نہیں کرنا پڑے گا۔

ہندی کو ہندوستان کے دستور نے راج بھاشا کا جو درجہ دیا ہے وہ اس بنا پر دیا ہے کہ وہ ہندوستان کی اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے ورنہ تامل اور بنگلہ زبانیں اپنی وسعت کے اعتبار سے کافی اہمیت رکھتی ہیں جب ہندی کے راج بھاشا بننے میں اس کی اکثریت کی نمائندگی مددگار ثابت ہوئی ہے تو اسے اکثریت کی صحیح نمائندگی کے لیے الفاظ کے عوامی چلن کو دیکھنا ضروری ہے مگر ہندی کے عالم سنسکرت کے مقبول الفاظ سے ہندی کے خزانہ کو بھر کر آج کی مصروف زندگی پر انجینیر، ڈاکٹر، پروفیسر، ماسٹر، انجن، ڈرائیور، کلینر، فلیش، ڈرائن، بنگلہ، ہال، اسٹیشن، کپا ونڈر وغیرہ کا معنوی رنگ جو سائنسی ساز و سامان کے سہارے چڑھ گیا ہے اس کو زبان کے عالموں کی انگلوں اور اندازوں سے پیدا ہونے والے لفظوں سے اتارنے کی کوشش کی کامیابی اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ کاغذ اور بورڈوں پر آنے والے ان نئے الفاظ کا معنوی تعارف بھی چالو الفاظ پر ہی موقوف ہے۔

ہندوستان کی بڑی لسانی اقلیتیں انگریزی کے مقابلے میں ہندی کے موجودہ نقشہ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی ہیں ان کو بھی یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ انگریزی ہندوستان میں انگریز کے حکومتی اقتدار کے سہارے سے داخل ہوئی اور ہندوستان سے انگریزوں کے جانے کے بعد بھی ہندوستان کے حکومتی اقتدار کے سہارے نے اس کو رد کا وہ غیر جمہوری طریقہ سے ہندوستان میں داخل ہوئی تھی اور جمہوری طریقہ سے اس کو ملک سے باہر کرنے کے لیے فضا تیار کی جا رہی ہے اس تیاری کو جمہوری رواداری سے اس درجہ آراستہ کرنے کی ضرورت ہے کہ عقل کا بول بالا ہو اور عوامی سطح پر ایک ایسے شاندار تنقیدی اور تخلیقی شعور کے مطالبہ کی تکمیل ہو جس سے انگریزی کا دیس بدر ہونا اور ہندی کا راج بھاشا ہونا ہندوستان کی تہذیبی رنگینیوں کا ضامن ہو جائے۔

غزلیں

محمد منشاء الرحمٰن خاں منشاؔ

ہر زخم خونچکاں ہے مگر جی رہے ہیں ہم
دل مائل فغاں ہے مگر جی رہے ہیں ہم
آلام روزگار کی شدت نہ پوچھیے
سخت آفتوں میں جان ہے مگر جی رہے ہیں ہم
اے وائے اس گرانیٔ بے حد کے دور میں
جینا بہت گراں ہے مگر جی رہے ہیں ہم
چارہ گروں کی کوشش پیہم کے باوجود
ہر درد بے اماں ہے مگر جی رہے ہیں ہم
آباد جس پہ ہم ہیں وہی خطۂ زمیں
ہم وسعت آسماں ہے مگر جی رہے ہیں ہم
ہر شعبۂ حیات میں پھیلا ہے اضطراب
آشوب کا سماں ہے مگر جی رہے ہیں ہم
جس پر مدار زیست ہے وہ جانفزا نظر
کچھ ہم سے بدگماں ہے مگر جی رہے ہیں ہم
اس حوصلہ پہ حسرت مہر دو جہاں نثار
انجام غم عیاں ہے مگر جی رہے ہیں ہم
سچ تو یہی ہے آج اے منشاؔ سکون زیست
بے نام و بے نشاں ہے مگر جی رہے ہیں ہم

سید حرمت الاکرام

یگانگی میں بھی دکھ غیرت کے سہتا ہوں
چمن میں سبزۂ بیگانہ بن کے رہتا ہوں
تری نگاہِ محبت کا آسرا پاکر
فسانۂ ستمِ روزگار کہتا ہوں
عظیم دھاروں کا رخ پھیرنے کا عزم لیے
حقیر موجوں پہ تنکے کی طرح بہتا ہوں
ہے اپنے ظرف کا مقصود امتحاں شاید
ترے قریب پہنچ کر بھی دور رہتا ہوں
خود اپنے سے بھی چھپایا ہے مدتوں جس کو
قریب آؤ کہ تم سے وہ بات کہتا ہوں
کہاں تم اور کہاں میرے درد کا چارہ
میں زندگی کے حقائق کی چوٹ سہتا ہوں
فرازِ دار بھی حرمت ہے ایک منزلِ اوج
کوئی مقام ہو میں سربلند رہتا ہوں

خوشتر کرانوی

زندگی کا وقار روشن ہے
قلب انساں میں پیار روشن ہے
میرے خونِ جگر سے لے شبنم
آج فصلِ بہار روشن ہے
تیرے چھوتے ہوئے یہ کامل
سرکشی کا مزار روشن ہے
ظلِ اردو مٹا نہیں سکتے
آپ کا اختیار روشن ہے
میری پرچھائیوں کے رنگوں سے
وقت کا شاہکار روشن ہے
میرے ہر سانس سے ترا اگلیں
عالمِ اقتدار روشن ہے
چشمِ خوشتر میں آج بھی جاناں
بیکسی کا مزار روشن ہے

اردو ہندی کی شیلی نہیں

لکھنؤ ۱۰/اپریل۔ الٰہ آباد ہائی کورٹ کے سابق جج پنڈت آنند نرائن ملا نے آج یہاں کہا کہ اردو کے سلسلے میں مرکزی حکومت نے جو پالیسی مرتب کی ہے اتر پردیش سرکار اس پالیسی کے بالکل برعکس عمل کر رہی ہے۔

شری ملا آج یہاں کارلٹن ہوٹل میں رو ٹری کلب کے ممبران میں اردو کے مقدمہ کے عنوان سے ایک تقریر کر رہے تھے۔

انھوں نے کہا اردو اور ہندی دونوں زبانیں ایک نہیں ہیں اور ہندی والوں کا یہ کہنا کہ اردو ہندی کی شیلی ہے، درست نہیں ہے کیونکہ آئین میں اس کی علیحدہ حیثیت تسلیم کی گئی ہے۔

انھوں نے کہا اگر تاریخ پر نظر کی جائے تو امیر خسرو کو ہندی والے اور اردو والے دونوں ہی اپنا پہلا شاعر تسلیم کرتے ہیں بعد کو اردو زبان اپنی ابتدائی شکل سے ایک عوامی زبان کی حیثیت اختیار کرتی رہی اور عوام میں بے حد مقبول ہوئی۔

انھوں نے کہا اردو دنیا کی چار بڑی زبانوں میں سے ایک بڑی زبان تسلیم کی جاتی ہے یہ ضرور صحیح ہے کہ پاکستان میں اسے سرکاری زبان کی حیثیت دے دی گئی ہے لیکن وہاں بھی اردو کا وہ درجہ نہیں ہے جو ہمارے ملک میں ہے کیونکہ اردو پاکستان کی سرکاری زبان تو بن گئی لیکن اردو وہاں کے رہنے والوں کی مادری زبان نہیں ہے۔ یہ فخر ہندوستان کی ریاستوں ہی کو حاصل ہے۔

انھوں نے ۱۹۶۱ء کے اعداد و شمار بتلاتے ہوئے کہا ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے اعتبار سے جن لوگوں کی مادری زبان اردو لکھی گئی تھی ان کی تعداد ۲ کروڑ ۲۸ لاکھ تھی انھوں نے سلسلۂ تقریر میں اس بات کا بھی انکشاف کیا کہ ان سے پوچھے بغیر فارم میں ان کی مادری زبان ہندی لکھ دی گئی جسے بعد کو انھوں نے درست کرایا۔

شری ملا نے، جامعہ علی گڑھ کے ۱۹۶۲ء کے ایک جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ خود اچاریہ جگل کشور نے کہا تھا کہ اردو ہمارے ملک کی سب سے بڑی دولت ہے اور اس سے قومی یکجہتی کے لیے راہ ہموار ہوتی ہے۔

انھوں نے سوال کرتے ہوئے کہا کہ کیا آج کی یو۔ پی سرکار کی پالیسی اور اچاریہ جگل کشور کے اس بیان میں ایک تضاد نہیں پایا جاتا ہے؟

• انھوں نے کہا مرکزی حکومت اردو کے نام پر جن اداروں کو مدد دے رہی ہے کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ اردو کو ملک کی علاحدہ زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جا چکا ہے۔

(قومی آواز لکھنؤ)

عابد رضا بیدار

میر و مصحفی کے عہد کی ایک اہم دستاویز

یہ ایک تاریخ کی کتاب ہے ادب و شعر کا تذکرہ نہیں لیکن اس سے شعر و ادب کا پس منظر سمجھنے میں ضرور مدد ملتی ہے۔ اس لیے کہ یہ اس عہد کی ایسی تاریخ ہے جو کسی اور نے نہیں لکھی۔

مرزا ابو طالب جو لکھنؤ میں پیدا ہوا۔ وہیں پلا بڑھا، جس کی عمر کا بیشتر حصہ شجاع الدولہ اور پھر آصف الدولہ کے ساتھ وابستگی میں گزرا، جو باپ کی وطنیت کی نسبت سے اصفہانی مشہور ہوا اور مسافرت لندن کے سبب لندنی۔ یہ مرزا ابو طالب اصفہانی یا مرزا ابو طالب لندنی، پہلا ہندوستانی ہے جس نے یورپ کا سفر کیا اور وہاں کا عمومی اور انگلستان کی معاشرت کا خصوصی مطالعہ کرکے اپنے تاثرات قلمبند کیے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب میر صاحب لکھنؤ میں مقیم ہیں انشا اور مصحفی کے معرکے ہو رہے ہیں یا ٹھنڈے ہوئے آئے ہیں مصحفی و مصحفی، جرأت "کوئی یوں گھر میں ترے دھم سے نہ ہوگا" نظم کرنے میں مصروف ہیں۔ کہیں داستان امیر حمزہ سنائی جا رہی ہے کہیں ہوشربا کا کوئی باب بیان ہو رہا ہے "اس کو نہ دے مولیٰ جس کو نہ دے آصف الدولہ" زبان زد عام ہے جس میں ایک پارٹی کی سخاوت کو دخل ہے اور دوسرے فریق کی مجبوری و چاردی اور کم ہمتی۔ لکھنؤ ایک وقت شیراز و بغداد و اصفہان و سمرقند اور پھر دلی کی جگہ لے چکا ہے (بقول زوال آماد) تہذیب کے نمائندوں کے ہاں شعر و شاعری کا دور دورہ ہے سلیمان شکوہ، نواب محبت خاں، نسبت علی خاں مرزا جواں بخت اور خود نواب آصف الدولہ شعر و ادب کے قدر داں ہیں وران کے گرد قصیدہ گو، غزل سرا، مثنوی نگار اور داستان گو جمع ہیں لکھنؤ کی محفلوں سے نواب کا جی اکتا جاتا ہے تو شکار کے لیے مع لاؤ لشکر کے چل پڑتے ہیں شکار نہ سہی تو سلطنت کا دورہ سہی۔ اُن سے نپٹ کے آتے ہیں تو ہولی نوروز اور عید وغیرہ دھوم دھام سے منائی جاتی ہیں یہ بھی نہ ہوں تو مرغ خانہ، کتے خانہ، بندر خانہ، فیل خانہ، شتر خانہ اچھا خاصا شغل مہیا کرتے رہتے ہیں اور اس کے بعد باورچی خانہ بھی ہے جس کا اہتمام ان تمام سے زیادہ ہے۔

نواب کے شکار پر اور اس کے خانوں پر میر صاحب سودا، مصحفی، انشا وغیرہ وغیرہ طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں میر صاحب اور مصحفی تو ان کی روہیلوں سے جنگ کی تاریخیں بھی نظم کرتے رہتے ہیں۔

شاعر سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور ان پر لکھ رہے ہیں لیکن بہت سی چیزوں کے بارے میں انھیں کچھ بھی نہیں معلوم یا شاید ان کے قلم میں بھی سکت نہیں کہ وہ لکھ سکیں۔

۱۷۵۲ء کی پیدائش، مرزا ابو طالب، آصف الدولہ کی تخت نشینی کے بعد سے لکھنؤ کی حکومت سے کسی نہ کسی عنوان سے آصف الدولہ کی وفات کے ایک دو سال قبل تک وابستہ رہا، کبھی براہ راست، کبھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے واسطے سے۔ اضلاع کا کلکٹر رہا، فسادیوں کی سرکوبی کے لیے لشکر کے ایک حصے کا سالار رہا، مختار الدولہ اور آصف الدولہ دونوں کا منظور نظر رہا مگر پھر آصف الدولہ کی نظروں میں مشکوک ہو گیا اس نے اقبال کے ایک سے زیادہ سورج طلوع اور غروب ہوتے دیکھے آج مگیٹ والے کا دور دورہ ہے تو کل جھاؤ لعل کا کبھی نسبت علی خاں کا ستارہ عروج پر ہے تو کبھی حیدر بیگ خاں کا۔ ایک وقت ہے کہ مختار الدولہ "لمن الملک الیوم" کا آوازہ بلند کیے ہوئے ہیں پھر ان کا نام و نشان تک مٹ جاتا ہے۔

دوسری طرف کمپنی کا رفتہ رفتہ تسلط بڑھتا جاتا ہے۔ اور آصف الدولہ جو بقول مرزا ابو طالب کے اس وقت کے ہندوستان کا تنہا "حاکم حقیقی" تھا رفتہ رفتہ کمپنی کے جال میں پھنستا جاتا ہے اس میں کچھ کمپنی کے کارکنوں کی ذہانت کو دخل ہے۔ مگر زیادہ دخل ہے حاکمان اودھ کی بے لیاقتی اور نظم و نسق میں نااہلیت کو۔

یہ سب داستان مرزا ابو طالب نے کلکتہ میں بیٹھ کر آصف الدولہ کی حکومت کے آخیر سال میں قلمبند کی اور جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا تھا صاف صاف لکھ دیا۔

ہمارے اردو شاعروں کے ممدوحین مگیٹ والے نسبت علی خاں مختار الدولہ، آصف الدولہ، جواں بخت وغیرہ وغیرہ ان سب کے بارے میں ایسے واقعات جن کا کسی تاریخ میں تذکرہ نہیں ملتا اور ملتا ہے تو مجمل، ان کے آپس کی سازشیں ان کے عبرت ناک انجام ان کے تفصیلی حالات، اور حکومت پر اس کے اثرات یہ سب تجزیاتی انداز میں خوب بیان کیے ہیں۔

وہ بنیادی کمزوریاں جو سلطنت اودھ کو رفتہ رفتہ دیمک ان کا بار بار ذکر کیا ہے اس طرح اگر ہوش ہوتا تو سنبھلنے کا وقت بالکل گیا بھی نہیں تھا۔ لکھنؤ کے کوچہ و بازار میں گداگروں نے خرفا کی زندگی جس طرح اجیرن کر دی تھی، عاملوں نے تحصیل وصول کرکے آدھی سے زیادہ اڑا جانے کی جو رسم ڈالی تھی تحصیل وصول کنندوں نے حکومت کی آمدنی کو جس طرح رہن در رہن ڈال رکھا تھا، نواب کے ذاتی مزاج کی ضد، خود غرضی اور تفریح پسندی کے سر چڑھ عناصر نے جس طرح حکومت کی بنیادوں میں خلل ڈال دیا تھا کہ عوام کو وہ ادن تک آم کھانے کی اجازت نہ تھی (اپنے ذاتی باغوں سے بھی) بلکہ شہر میں صرف نواب کے لیے بنا تھا عوام اس سے کوئی حصہ نہیں اٹھا سکتے تھے، پھول سب کے سب عطر کے لیے جمع کر لیے جاتے تھے۔ فاتحہ درود کے لیے بھی نہیں ملتے تھے۔ شادی بیاہ کے لیے شرفا اپنے مہمانوں کو شہر سے باہر بھجوا کر بار گجرے ڈال دیتے تھے، نواب کی بازیوں میں غیر معمولی خرچ کے باوجود ہوتا یہ تھا کہ پچاس کتوں کی جگہ حقیقت میں صرف ۲۵ کتے ہوتے تھے بقیہ ۲۵ کا راتب نگرانی کرنے والوں کا ہوتا

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

"شہید اعظم" کس کی تصنیف ہے

"شہید اعظم" کے عنوان سے جناب عبدالوہاب صاحب کا ایک مراسلہ ۸ فروری ۱۹۹۵ء کے ہماری زبان میں شایع ہوا ہے۔ مراسلے سے طالب صفوی صاحب کی اس تحقیق اور دعویٰ کا علم ہوا کہ "شہید اعظم" نامی رسالہ مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی مدیر الہلال والبلاغ کا نہیں اس نام کے دوسرے شخص کا ہے اس سلسلے میں چند باتیں عرض ہیں۔

"شہید اعظم" کے نام سے ہندوستان پاکستان سے متعدد بار ایک رسالہ شایع ہو چکا ہے۔ اس میں اہل کوفہ کی دعوت اور امام حسین کی روانگی سے لے کر واقعہ شہادت اور اہل بیت کی یزید کے دربار میں حاضری اور پھر مدینہ کو واپسی تک کے تاریخی واقعات کو کسی تبصرہ کے بغیر ترتیب دے دیا ہے۔ یہ رسالہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے

"اہل بیت شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔"

اور خاتمہ ان الفاظ پر ہوتا ہے۔

"اہل بیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں حسینؑ کے قتل کی خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل پڑیں۔ حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحب زادی آگے آگے تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں۔

ماذا تقولون ان قال النبی لکم　　　ماذا فعلتم وانتم آخر الامم

کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخر امت ہو۔

بعترتی وباھلی بعد مفتقدی　　　منھم اساری ومنھم ضرجوا بدم

تم نے میری اولاد اور میرے خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں۔

اس رسالہ کا پورا مضمون شہادت حسین نامی رسالہ میں بھی شامل ہے اور یہ کتاب بھی ہندوستان پاکستان کے کئی اداروں نے متعدد بار شایع کی ہے۔ اس مضمون کے علاوہ اس کتاب میں تین مضمون عشرہ محرم شہادت حسین اور اسلام اور خون شہادت کی پکار بھی شامل ہیں۔ ایک رسالہ "شہادت حسینؑ" کے نام کا ایسا بھی نظر سے گزرا ہے جس میں مذکورہ تینوں آخری مضامین میں سے کوئی کم ہے اور "شہید اعظم" ایک رسالہ ایسا بھی دیکھا ہے جس میں مذکورہ تین مضامین میں سے ایک یا دو شامل ہیں اور "شہادت حسینؑ" کے نام سے ایک رسالہ الہلال بک ایجنسی لاہور کا شائع کردہ پیش نظر ہے اس میں آخری تینوں مضامین ہیں۔ پہلا مضمون یعنی "شہید اعظم" والا مضمون نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا اور امام حسین سے متعلق چار مضامین دو رسالوں میں متعدد ناشروں نے شایع کیے ہیں اور تقریباً سب میں تعداد و ترتیب مضامین مختلف ہے۔

رہا یہ سوال کہ یہ مضامین کس کے ہیں؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ "شہید اعظم" والا مضمون الہلال دور ثانی کا مشہور سلسلہ مضامین "انسانیت موت کے دروازے پر" کا ایک حصہ ہے اور یہ الہلال کی تین قسطوں میں ختم ہوا ہے۔

حسین بن علی علیہ السلام الہلال، ۱۵ ر جولائی ۱۹۲۷ء جلد ۱ نمبر ۳ ص ۱۳-۱۲ [illegible]
" " (۲) " ۲۲ " " " ص ۱۳-۱۲ [illegible]
" " (۳) " ۲۹ " " " ص ۱۳-۱۲ [illegible]

"انسانیت موت کے دروازہ پر" یہ سلسلہ مضامین الہلال ۱۹۲۷ء میں دنوں تک جاری رہا تھا۔ اسی نام سے یہ سلسلہ مضامین کتابی صورت میں متعدد بار چھپ چکا ہے۔ پہلے مصنف کی حیثیت سے مولانا ابوالکلام آزاد کا نام درج ہوتا تھا اب اس کا ایک ایڈیشن ایسا بھی آیا ہے جس پر مصنف کے نام کی جگہ "الہلال" درج ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ سلسلہ مضامین مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم کا ہے، مولانا ابوالکلام آزاد سے اس کی نسبت صحیح نہیں۔ یہ بات مولانا ملیح آبادی نے خود فرمائی تھی اور "ذکر آزاد" کے آخر میں ملیح آبادی کی تصانیف کی جو فہرست درج ہے اس میں "شہادت حسینؓ" اور "انسانیت موت کے دروازے پر" دونوں کتابیں شامل ہیں۔ اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ "آزاد ہند" کلکتہ کے "ملیح آبادی نمبر" میں اس کتاب کے دو مضمون درج کیے گئے ہیں۔ اس کے شروع میں ایڈیٹر (احمد سعید ابن مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی) کا یہ نوٹ ہے۔

"انسانیت موت کے دروازہ پر" اسی نام سے ایک کتاب حضرت مولانا ابوالکلام آزاد سے منسوب کر کے شایع ہو چکی ہے، مگر وہ کتاب مولانا ملیح آبادی کی ہے۔ جو متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کے اصل مسودہ سے جو ملیح آبادی صاحب کے اپنے قلم کا لکھا ہے، دو مضامین درج کیے جا رہے ہیں۔" (مدیر، ص۱۱)

ایک فاضل دوست محمد یونس خالدی جو مولانا ابوالکلام آزاد کے شیدائی ہی نہیں ابوالکلام ان کا علمی موضوع بھی ہے انھوں نے بھی اعتراف کیا ہے کہ "انسانیت موت کے..." اور "شہید اعظم" مولانا آزاد کی نہیں، ملیح آبادی کی تصنیفات ہیں۔ خالدی صاحب اپنے تحقیقی مقالہ "امام الہند مولانا

ابو الکلام آزاد اور ان کے "افادات علمیہ" میں سلسلہ نمبر ۶۰ اور ۶۱ پر فرماتے ہیں:

"۶۰۔ انسانیت موت کے دروازے پر:

اس کی نسبت مولانا آزاد کے نام صحیح نہیں یہ ملیح آبادی کے تاثرات قلمی ہیں۔ ۶۱۔ شہید اعظم

اس کا صرف مقدمہ مولانا کا لکھا ہوا ہے یہ کتاب ملیح آبادی کی ہے۔ اس کی نسبت بھی مولانا کے نام سے صحیح نہیں۔"

(ہفت روزہ الکلام پٹنہ ص۱۱ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۵۹ء)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کا کوئی ایسا رسالہ بھی ہے جس میں مولانا کا مقدمہ بھی ہے۔ میری نظر سے ایسا کوئی رسالہ نہیں گذرا۔ البتہ ایک مجموعہ ایسا ضرور نظر سے گذرا ہے جس میں الہلال کی وہ تحریر بھی شامل ہے جو "حسین بن علی علیہ السلام" کے شروع میں بطور تعارف درج ہے (الہلال ۱۵ر جولائی ۱۹۱۳ء ص۱۳)

میرا خیال ہے کہ خالدی صاحب کی نظر سے وہی رسالہ گذرا ہوگا اور اس ابتدائی تحریر کو انھوں نے مولانا مرحوم کا "مقدمہ" بیان کیا ہے۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو پھر یہ بات محل نظر ہے کہ وہ تعارفی تحریر مولانا آزاد کی ہے۔ یہ تحریر میرے پیش نظر ہے میں کئی بار پڑھ چکا ہوں اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ تعارفی تحریر بھی صاحب مضمون کی ہے۔ اب اگر وہ سلسلہ مضمون (حسین بن علی علیہما السلام) مولانا ملیح آبادی کا ہے (اور بلاشبہ انہی کا ہے) تو یہ تعارفی تحریر بھی انہی کی ہے۔ اس تعارفی تحریر کی ابتدائی سطریں یہ ہیں:

"دنیا میں انسانی عظمت و شہرت کے ساتھ حقیقت کا توازن بہت کم قائم رہ سکا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو شخصیتیں عظمت و تقدس اور قبول و شہرت کی بلندیوں پر پہنچ جاتی ہیں دنیا عموماً تاریخ و حقیقت سے زیادہ افسانہ و تخیل کے اندر انھیں ڈھونڈھنا چاہتی ہے۔ اسی لیے فلسفہ و تاریخ کے بانی اول ابن خلدون کو یہ قاعدہ بنا دینا پڑا کہ جو واقعہ دنیا میں جس قدر زیادہ قبول و مشہور ہوگا اتنی ہی زیادہ افسانہ سرائی اسے اپنے حصار تخیل میں لے لے گی۔ ایک مغربی شاعر گوئٹے نے یہی حقیقت ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"انسانی عظمت کی حقیقت کی انتہا یہ ہے کہ افسانہ بن جائے"

اس کے بعد دو پیراگرافوں میں واقعہ شہادت امام حسین کی اہمیت اور اس کے تاریخی اثرات پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ حضرت امام حسین کا واقعہ بھی تاریخ سے کہیں زیادہ افسانہ کی صورت اختیار کر چکا ہے اور اس سلسلے اگر کوئی ایک جویائے حقیقت چاہے کہ صرف تاریخ اور تاریخ کی معتبر شہادتوں کے اندر اس حادثہ کا مطالعہ کرے تو اکثر صورتوں میں اسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آخری پیراگراف میں پیش کیے جانے والے مضمون کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"ذیل میں ہم وفیات مشاہیر عالم میں سے (جس کا ذکر دوسرے نمبر میں ہو چکا ہے) حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واردات و حوادث نقل کرتے ہیں۔ یہ حادثہ کربلا کی "تاریخ" نہیں ہے مگر تمام تاریخی واقعات کا مرتب مجموعہ ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک "تاریخ" کا تعلق ہے اس حادثہ کے واقعات یہ ہیں۔

یاد رہے کہ اس سلسلہ سے مقصود تاریخی بحث و نظر نہیں ہے، بلکہ مجرد واقعات وفات کا اس طرح یکجا کر دینا ہے کہ اس سے ایک مرتب سلسلۂ بیان پیدا ہو جائے۔ البتہ واقعات کے تفحص و تحقیق میں پوری کاوش کی گئی ہے۔ شاید اس کاوش و جستجو کے ساتھ ان حالات کا تاریخی مجموعہ دوسری جگہ نہ ملے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تعارفی نوٹ کے ابتدائی تین پیراگراف اپنی زبان، انداز بیان اور زور و دلکشی کے لحاظ سے ملیح آبادی کے قطعی معلوم نہیں ہوتے۔ ان پر ابوالکلام کے قلم کا دھوکا ہوتا ہے۔ لیکن جن حضرات کے علم میں مولانا ملیح آبادی کا یہ اعتراف ہے کہ الہلال (۱۳ء) میں ان کی تحریریں مولانا کی اصلاح و ترمیم کے بعد شائع ہوتی تھیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ حقیقت کیا ہوگی۔

اب رہ گئے مذکورہ رسائل کے دوسرے مضامین تو ان میں سے "عشرۂ محرم الحرام" الہلال ۱۰ر دسمبر ۱۹۱۲ء سے منقول ہے۔ "خون شہادت کی پکار" مولانا ابوالکلام کی وہ بصیرت افروز اور ولولہ انگیز تقریر ہے جو ۵ر محرم الحرام ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۳ر نومبر ۱۹۱۴ء کو مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال کلکتہ کے ایک غیر معمولی اجلاس میں کی تھی اور البلاغ میں "خطابہ الم و توصیۂ شہادت" کے عنوان سے نقل ہوئی تھی۔ "خون شہادت کی پکار" بھی اسی خطابہ الم کا ایک حصہ ہے۔

پس اس مضمون و تقریر کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ وہ بہ مولانا ابوالکلام آزاد مدیر الہلال کی ہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ "شہید اعظم" یا "شہادت حسین" نامی رسائل میں کون کون سے مضامین اگر "حسین بن علی علیہ السلام" مطبوعہ الہلال ۱۳ء بسلسلہ "انسانیت موت کے دروازے پر"

ہے تو لا شبہ وہ مولانا ملیح آبادی کا ہے اس سے مولانا آزاد کی نسبت صحیح نہیں اگر مولانا کا نام بحیثیت مصنف اس پر درج ہو اور اگر البلاغ دسمبر ۱۹۱۶ء اور مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال کلکتہ والی تقریر ہے جو البلاغ میں شایع ہوئی تھی تو وہ مولانا آزاد کا مجموعہ ہے اس کو ملیح آبادی کی سمجھ لینا صحیح نہیں ہے۔ اور اگر الہلال ۱۹۱۳ء البلاغ ۱۹۱۵ء اور الہلال ۱۹۲۷ء کے مضامین ہیں تو وہ مجموعہ مولانا آزاد اور ملیح آبادی دونوں کا مشترک کہلائے گا۔ ان کو کسی تیسرے شخص سے نسبت دینا صحیح نہیں چاہے کسی مجموعے میں کوئی مضمون اور کچھ ترتیب ہو۔

اگر طالب صفوی صاحب یا کسی اور بزرگ کو اس بارے میں غلط فہمی ہے تو مجھے امید ہے کہ وہ اپنی رائے پر نظر ثانی فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔ اور یہ سطریں ان کو رائے قائم کرنے میں مدد دیں گی۔

(ابوسلمان شاہ جہاں پوری آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کراچی ۱۰)

شعرا حضرات سے گذارش

میں شری پنڈت نہرو کی یاد میں ایک نظموں کا مجموعہ گلاب نہرو شایع کرانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اردو کے شعرا سے گذارش ہے کہ وہ نہرو جی سے متعلق اپنے کلام اس پتہ پر ۲۰ مئی ۱۹۷۵ء تک روانہ فرمادیں۔

نظر برنی
جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ جامعہ نگر
نئی دہلی ۲۵

بقیہ صفحہ ۷ سے آگے

تھا اور ان میں بھی دس پانچ مرجاتے تو ان کی اطلاع دینے کے بجائے سڑک پر پھرنے والا کوئی کا پکڑ کے باندھ لیا جاتا! اور ریکارڈ جوں کا توں قائم رہتا۔

دورے پر ہوتا تو لشکری راستے کے باشندوں سے بیگار لیتے چلتے ان کے گھروں کو استعمال کرتے، ان کے چھپروں سے کھانا پکاتے آگے بڑھ جاتے۔

بے اندازہ خرچ کا یہ عالم تھا کہ امام باڑہ کے لیے جھاڑ فانوس منگانے کا اہتمام ولایت سے کیا گیا۔ عمارتوں کا حال یہ تھا امام باڑہ کے علاوہ بقیہ میں بیشتر کا یہ ہوتا کہ ابھی بنیں اور چند مہینے گزرنے پائے کہ گرنے لگیں

سول ملازموں کی رشوت خوری کا عالم آج کل کے ہندوستان سے کچھ بہتر نہ تھا — اور یہی عالم ہر جگہ تھا!

یہ تفصیل مرزا ابوطالب نے اپنی تاریخ میں لکھی ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ خرابی کا اصل علاج یہ ہے کہ انگریز عمومی نگرانی کو اپنے ہاتھ میں

سے ہیں وہ ایک برتر تمدن، مشینی تمدن اور بہتر نظم و ضبط کے حامل ہیں قوی اور انتظام کو ٹھیک کر سکتے ہیں۔ اس کی یہ سطور پڑھتے وقت غالب کی وہ تقریظ یاد آنے لگتی ہے جو سر سید کی آئین اکبری جدید کے لیے لکھی تھی!

پروفیسر ہمایوں کبیر نے مرزا ابوطالب پر ایک کتابچہ لکھا ہے اس میں انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مرزا ابوطالب کی اپروچ اکثر معاملات میں مارکسی سی تھی اقتصادیات اور عمومی حالات اس کی نظر میں معاشرت اور تاریخ کو متعین کرنے والے عناصر تھے یہی کہ ابوطالب پہلا شخص ہے جس نے تاریخ نگاری میں اس نظریہ کو استعمال کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مورخ کی حیثیت سے ابوطالب کی یہ بڑی اہمیت ہے کہ مثلاً اس نے اودھ کی تاریخ لکھتے وقت آصف الدولہ کے حالات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس زمانے کی ایک عام تاریخ لکھی ہے جس میں عوام کے مختلف طبقوں کے حالات آگئے ہیں۔ اسے پڑھ کے پورے معاشرے کی چلتی پھرتی تصویر سامنے آجاتی ہے۔

عجیب بات ہے کہ اس کی تاریخ میں شعرا کا کہیں کوئی ذکر ہی نہیں ملتا، ضمناً بھی نہیں حالانکہ وہ خود بھی شاعر تھا، اور فارسی شعرا کا تو ایک تذکرہ بھی لکھا ہے۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اپنے عہد کے شعرا کو ایک بے مصرف چیز سمجھتا ہو جنھوں نے اس وقت کے معاشرے کو اونچا اٹھانے کے بجائے اور پست کرنے کی کوشش کی!

اس کے باوجود اردو شاعری کے اس دور کا فکری اور معاشرتی پس منظر سمجھنے کے لیے اس عہد کی اندرونی تاریخ کے طور پر مرزا ابوطالب کی یہ تاریخ ایک ناگزیر ماخذ بن گئی ہے۔

کتاب فارسی میں ہے اور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز رام پور کی طرف سے شایع کی گئی ہے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ اسی سال ہوئے (۱۸۸۵) مسٹر ہوئی نے الہ آباد سے چھاپا تھا۔ اصل جب سے غائب تھا جس کا ایک تنہا نسخہ رام پور میں محفوظ ہے جسے ایڈٹ کر کے شایع کیا گیا ہے!

ریاستی انجمن ترقی اردو اترپردیش کی مجلس عاملہ اور کونسل کے اجلاس

ریاستی انجمن ترقی اردو اترپردیش کی مجلس عاملہ اور کونسل کے اجلاس زیر صدارت پنڈت آنند نرائن ملا صدر انجمن لکھنؤ میں منعقد ہوئے، اجلاس میں پوری ریاست سے انجمن ترقی اردو کے نمائندوں نے شرکت کی۔ سب سے پہلے اجلاس نے اپنے محبوب رہنما پنڈت جواہر لال نہرو کی موت پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا اور پنڈت جی کی وفات کو نہ صرف ہندوستان کے لیے بلکہ پوری دنیا کے لیے ناقابل تلافی نقصان بتایا، دو منٹ خاموش کھڑے ہو کر خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اس کے بعد اردو کی موجودہ حالت پر اظہار خیال کیا گیا۔ ہر شخص نے حکومت کے رویّہ پر تشویش اور بے چینی ظاہر کی، انجمن کی تنظیم کو زیادہ سے زیادہ مستحکم اور فعال بنانے پر زور دیا گیا، اور اردو پر کی جانے والی زیادتیوں کو دور کرنے کے لیے جلد سے جلد منظم اور موثر قدم اٹھانے پر زور دیا گیا۔ مختلف تجاویز متفقہ طور پر پاس کی گئیں، اور متعلقہ محکمہ جات کے پاس بھیجنے نیز وفود سے ملنے کے لیے طے کیا گیا۔

بیسک اسکولوں میں طلبا کو اردو پڑھنے میں جو دقتیں پیش آ رہی ہیں، ان پر تشویش کرتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ حکومت افسران تعلیم کو واضح احکامات صادر کرے تاکہ طلبا اپنی مادری زبان کی تعلیم سے محروم نہ رہیں۔

سہ لسانی فارمولے میں اردو طلبا کو ان کی خواہش کے خلاف زبردستی سنسکرت پڑھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس لیے جلسہ نے یہ مطالبہ کیا کہ حکومت اس فارمولے کے تحت اردو طلبہ کے لیے لازمی طور پر اردو تعلیم کا انتظام کرے۔

جلسہ نے یہ بھی طے کیا کہ تمام سرکاری ملازموں کے لیے اردو بھی جاننا لازمی قرار دیا جائے نیز تمام سرکاری فارم ہندی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی چھاپے جائیں تاکہ اردو داں طبقہ کی مشکلات دور ہوں۔

یہ جلسہ سترہ سالہ تجربہ کے بعد یہ محسوس کرتا ہے کہ حکومت کے اعلانات کے بموجب اردو کو جو برائے نام رعایتیں ملی ہیں وہ بیکار ثابت ہوئی ہیں اور آئندہ بھی ان پر عمل درآمد ہونا ناممکن نظر آتا ہے اس لیے کونسل کا یہ یقین ہے کہ ان تمام مشکلات کا واحد حل یہی ہے کہ اردو کو اترپردیش میں علاقائی زبان کا درجہ دیا جائے۔

یہ جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ جونیر ہائی اسکول، ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے مختلف مضامین کی کتابیں ہندی کے ساتھ ساتھ لازمی طور پر اردو میں بھی شائع کی جائیں۔

یہ جلسہ لکھنؤ، آگرہ، الہ آباد، گورکھپور اور بنارس یونیورسٹیوں سے درخواست کرتا ہے کہ طلبا کو امتحانات کے جوابات اردو میں بھی لکھنے کی اجازت دیں۔

یہ جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ ابتدائی درجات سے ثانوی درجات تک کے جملہ استادوں کے لیے اردو زبان جاننا لازمی قرار دیا جائے اور ٹریننگ اسکولوں اور کالجوں میں اردو کے طریقۂ تعلیم کی ٹریننگ کا بھی انتظام کیا جائے۔

یہ جلسہ آل انڈیا ریڈیو کی پالیسی سے غیر مطمئن ہے اور یہ محسوس کرتا ہے کہ ریڈیو سے اردو کو بے دخل کیا جا رہا ہے اس لیے یہ جلسہ پرزور مطالبہ حکومت سے کرتا ہے کہ وہ ریڈیو میں اردو کو اس کا جائز حق اور مناسب جگہ دے۔

یہ جلسہ صدر انجمن کو مجاز کرتا ہے کہ وہ ایک وفد تشکیل فرمائیں، اور ذمہ داران حکومت کے سامنے اردو کے مسائل پیش کریں اور ان پر عمل درآمد کرانے کی کوشش کریں۔

یہ جلسہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اترپردیش میں اردو کو علاقائی زبان اور دوسری سرکاری زبان کا درجہ دلانے کے لیے اپنی ماتحت شاخوں اور محبان اردو سے اپیل کرے کہ وہ پرامن اور آئینی تحریک کے لیے تیاری کریں اور عوام کو ہر قسم کی قربانی کرنے کے لیے آمادہ کریں نیز عوام

کر زیادہ سے زیادہ ہم نوا بنانے اور رائے عامہ استوار کرنے کے لیے ممبر سازی کی مہم چلائی جائے اس کے بعد کوئی پروگرام بنایا جائے۔

جلسہ میں ڈائرکٹر تعلیمات کے سرکلر ۳۰۳ مورخہ ۱۰ر فروری ۶۵ء پر غور کیا گیا اور متفقہ طور پر طے کیا گیا اردو ٹریننگ سنٹر کی عدم موجودگی کی وجہ سے (جس کی ذمہ دار خود حکومت ہے) فی الحال اساتذہ کا ٹرینڈ ہونا ضروری نہ قرار دیا جائے اور تعلیمی لیاقت کے سلسلہ میں انٹرمیڈیٹ ایکٹ کے تحت جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات ادیب ماہر پاس شدہ حضرات کو اردو ٹیچر مقرر کیا جائے۔

ایک اور تجویز کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ریلوے اور روڈویز کے اسٹیشنوں، کچہریوں کے سائن بورڈوں اور نوٹس بورڈوں اور سڑکوں کے سنگ میل پر اردو میں بھی تحریر ہونی چاہیئے۔

جلسہ میں صنعتی اور تجارتی اداروں سے اپیل کی گئی کہ وہ اپنے سائن بورڈ اور لیبل وغیرہ پر اردو میں بھی لکھوائیں اس سلسلہ میں ماتحت شاخوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں تجارتی حضرات سے درخواست کریں اور اردو داں حضرات کی مشکلات کو دور کرنے کے لیے کوشش کریں۔

جلسہ میں قاضی مختار احمد جنرل سیکریٹری نے اپنی کارکردگی اور دورے کی رپورٹ پیش کی اور تنظیم کے سلسلہ میں یہ طے پایا کہ ریاست کو ۸ حلقوں میں تقسیم کیا جائے، اور ہر حلقہ کا ایک آرگنائزر ہو، جو اپنا زیادہ سے زیادہ وقت تنظیم کے لیے دے اور ریاست کے ہر حلقے میں انجمن کی شاخیں قائم کرے۔ سردست حسب ذیل حضرات نے اپنے کو پیش کیا۔

ظہور احمد سکریٹری سہارن پور سہارن پور، مظفر نگر، بجنور،
راحت علی خاں (نانپارہ) گونڈہ، بہرائچ، سیتاپور
وفاء الرحمان۔ ٹانڈہ رام پور۔ مراد آباد، نینی تال، بریلی۔
ابو البیان صاحب۔ علی گڑھ، فرخ آباد، ایٹہ
معین الدین فریدی۔ آگرہ، متھرا،
رشید احمد انصاری۔ بارہ بنکی۔ فیض آباد۔ ردولی
امین سلونوی۔ رائے بریلی پرتاب گڑھ،

طے پایا کہ دستور کی کاپی مع ترمیمات کے تمام شاخوں کو بھیجی جائیں۔

یہ بھی طے پایا کہ ممبر سازی کی مہم کے بعد اردو ہفتہ منایا جائے۔

جلسہ نے شاخ مراد آباد کی درخواست قبول کر لی کہ آئندہ ریاستی کانفرنس مراد آباد میں ہو۔

جلسہ میں نئی شاخوں کا الحاق تسلیم کیا گیا اور میرٹھ سے سیکریٹری کو ہدایت کی گئی کہ وہ نوٹس دیں۔ آگرہ، بارہ بنکی، سہارن پور، رائے بریلی، علی گڑھ، نان پارہ، ٹانڈہ، رام پور، گورکھپور، کان پور، اعظم گڑھ، بنارس، وبئی، کالپی، کاکوری، اور لکھنؤ کے

حسب ذیل اراکین مجلس عاملہ اور نمائندگان نے شرکت کی

پنڈت آنند نرائن ملا، حیات اللہ انصاری، بیگم سلطانہ حیات عبدالرشید ... ، ظہور احمد، رشید احمد انصاری، وحید صاحب شیخ محمد محمود، سید ندا حسین، ریاض الرحمان خاں شیروانی، راحت علی خاں، وفاء الرحمان جامعی، بدیع الزماں، محمد حسن خاں عرشی وحید الرحمان عرفانی، داتا رسول، امین سلونوی، اختر بستوی، سراج احمد، طاہر محسن علوی، سعید احمد علوی، گیانی مہندر سنگھ قاضی مختار احمد، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی وغیرہ۔

(ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی)

راجستھان میں دستخطی مہم

اردو کی اپیل کے سلسلے میں راجستھان میں حسب ذیل اصحاب پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی ہے۔ جو درخواست مذکور کی تکمیل کرے گی۔ امید کہ اردو دوست ان صاحبان کی خاطر خواہ امداد فرمائیں گے۔

(۱) صاحبزادہ سید عبدالرؤف صاحب ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ کلکٹر راجستھان۔ اجمیر

(۲) خان محمد وحید اللہ خاں صاحب۔ آر۔ اے۔ ایس ریٹائرڈ سکریٹری انجمن ترقی اردو۔ جودھ پور

(۳) خلیل احمد صاحب خلیل صمرانی ایڈوکیٹ۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو بیکانیر۔ بیکانیر

(۴) مولوی حافظ محمد ایوب خاں صاحب قمر واحدی پرنسپل اردو کالج جے پور۔ جے پور

(۵) رشید احمد صاحب احمر سکریٹری ماڈرن پوئٹس سائٹی جے پور۔ جے پور

(۶) سید منظور الحسن صاحب برکاتی سیکریٹری انجمن ترقی اردو ٹونک۔ ٹونک

(۷) ماسٹر منور احمد خاں صاحب سیکریٹری انجمن ترقی اردو اودے پور۔ اودے پور

(۸) سید آصف علی صاحب سیکریٹری انجمن ترقی اردو مالپورہ۔ مال پورہ

(۹) عبد الرحیم صاحب ایڈوکیٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو کوٹہ۔ کوٹہ

(احترام الدین احمد شاغل کنوینر کمیٹی مذکور)

اردو زبان کو اس کا آئینی حق ملے گا

اردو ہماری زبان ہے

مسز وجے لکشمی پنڈت کا اعلان

نئی دہلی ۱۴ اپریل۔ آج یہاں پر انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کے زیر اہتمام جس کی صدارت شریمتی وجے لکشمی پنڈت ایم۔ پی نے فرمائی مطالبہ کیا گیا کہ دلی میں اردو کو علاقائی اور دوسری سرکاری زبان باقاعدہ اور قانوناً تسلیم کی جائے۔

اس عام جلسہ میں جو کہ دلی گیٹ کے باہر ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے وسیع میدان میں ہوا، بڑی تعداد میں اردو دوستوں اور اردو سے متعلق مطالبہ کی حمایت کرنے والے محبان اردو نے شرکت کی پہلی تقریر مرکزی نائب وزیر لالہ شیام ناتھ کی ہوئی۔ آپ نے اپنی تقریر میں کہا کہ میری رائے میں زبان کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے لیکن سب سے اہم شے قومی یک جہتی ہے ہمیں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے قومی یک جہتی کو نقصان پہونچے لالہ شیام ناتھ نے کہا کہ دلی اور اردو کے درمیان ایک خاص رشتہ ہے دلی کے لوگوں نے اردو کی خدمت کی ہے اور ان کو یہ زبان بہت عزیز ہے میں اس مطالبہ کی پوری پوری تائید کرتا ہوں کہ دلی اور اس کے آس پاس اردو کو علاقائی حیثیت دی جائے۔ مجھے پوری امید ہے کہ ہمارے دلی کے لوگ اس جائز مطالبہ کا پورے طور پر ساتھ دیں گے۔

صدر انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ پنڈت سندر لال نے اپنی تقریر میں مسٹر راج گوپال آچاریہ اور ڈی ایم کے کے بڑے لیڈر مسٹر راما سوامی نائیکر کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ جنوبی ہند میں ہندی کے خلاف تحریک اور علیحدگی کی تحریک کی بنیاد یہی ہے کہ شمال میں اردو جیسی زبان کے ساتھ ہندی والے انصاف نہ کر سکے اور انھوں نے گاندھی جی کے ہندوستانی زبان کے نعرے کو بدل دیا۔ مسز پنڈت نے اپنی تقریر میں کہا کہ اس وقت ہر معاملہ کو سیاست میں الجھایا جا رہا ہے اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان الجھنوں کو سلجھایا جائے۔ آپ نے کہا کہ یقین اور اعتماد کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے جس چیز کے بارے میں یقین ہے اور جس معاملہ کی بنیاد صداقت پر ہو اس میں گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ باتیں کرنے کے بجائے عملی جد و جہد کی جائے۔ مسز پنڈت نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اردو ہماری زبان ہے۔ میں تعداد پر نہیں جاتی لیکن لاکھوں اشخاص اس زبان کو بولتے ہیں یہ مسلمانوں ہی کی زبان نہیں ہے جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ دھوکہ دیتے ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ اردو بولنے والوں کی زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے، اور مسلمانوں کی تعداد کم ہے اس لیے اردو کی کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے وہ ملک کو دھوکہ دیتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہماری ایک سیکولر اسٹیٹ ہے۔ یہاں پر کوئی شہری اول درجہ کا اور دوسرے درجہ کا شہری نہیں ہے جب ہم نے آئین بنایا تو دنیا کے سامنے سیکولرزم کو رکھا ہر شخص خواہ کسی مذہب کا ہو کیسی ہی تہذیب رکھتا ہو کوئی زبان بولتا ہو سیکولر اسٹیٹ میں وہ ان کا حامل رہے گا یہ بات آئین میں موجود ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اس بات کا اعلان نہ کریں کہ اردو زبان کو جو آئینی حق حاصل ہے عملی طور پر بھی اس کو وہ حق حاصل ہے اور عملی طور پر اس کو اس کی جگہ دی جائے گی۔

دلی پردیش کانگریس کے لیڈر اور ممبر پارلیمنٹ چودھری برہم پرکاش نے اپنی تقریر میں کہا کہ ایک ہندوستانی کے ناطے میں سمجھتا ہوں کہ اردو کو اس کا آئینی حق ملنا چاہیے مجھے افسوس ہے کچھ لوگ اردو کو نقصان پہونچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اردو زبان اس سرزمین اور اس تہذیب و تمدن کی پیداوار ہے جس کو دلی اور دلی کی تہذیب و تمدن کہتے ہیں۔ اردو ایک ایسی زبان ہے جو مختلف تبدیلیوں اور سنگیتوں کے ملنے سے بنی ہے یہ ایک بین الاقوامی زبان ہے جو زبان ملک کی زبان ہوگی وہ زبان مختلف زبانوں کے الفاظ کو ساتھ لے کر چلے گی اس میں تمام زبانوں کے الفاظ شامل ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ وہ زبان اردو کے علاوہ اور کوئی زبان نہ ہوگی اردو اوپر سے لادی ہوئی زبان نہیں ہے یہ ایک قدرتی عمل ہے زبان کی حیثیت ایک آدمی کے لیے ماں کی حیثیت ہوتی ہے زبان کی اسی طرح عزت کرنی چاہیے جس طرح ماں کی عزت کی جاتی ہے کوئی آدمی اپنی ماں کی توہین برداشت نہیں کر سکتا میں اس اردو کے مطالبہ کی پوری پوری تائید کرتا ہوں۔

اکالی لیڈر شری زبان سنگھ ایڈیٹر ٹانسرور نے اپنی تقریر میں کہا کہ کچھ ہندو پنجابی کو پنجاب میں اپنی زبان نہیں مانتے ہیں سکھوں کا میں ایک ادنیٰ نمائندہ ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ ہمیں اردو کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں اردو کو مسلمانوں کی زبان کہنا غلطی ہے یہ سیاسی چال ہے سکھ، ہندو، مسلمان جو جنٹلمین ہیں وہ اردو کو ہندوستان کی ایک زبان جانتے ہیں اور قومیت کا جو نعرہ انقلاب زندہ باد بلند کیا گیا وہ بھی ایک پنجابی نے پیش کیا میں یقین دلاتا ہوں کہ ہم اردو کے حق میں اس تحریک کے ساتھ ہیں سکھوں نے اردو کا مان کیا ہے اور وہ اس کا مان کریں گے۔

(الجمعیۃ، دہلی)

مالک انجمن ترقی اردو ہند۔ علی گڑھ۔ پرنٹر منیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپا یا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا